کرونا کے عالمی اثرات

یہ وباء دنیا کو کس طرح تبدیل کر رہی ہے

یوخن ہپلر

FRIEDRICH EBERT STIFTUNG

کرونا کے عالمی اثرات

یہ وباء دنیا کو کس طرح تبدیل کر رہی ہے

یوخن ہپلر

اسلام آباد، اگست 2020

پیش لفظ

دنیا بھر کے بہت سے ممالک کو ضرب لگانے کے بعد کرونا کی عالمی وباء پاکستان کو بہت متاثر کر رہی ہے۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں تو رواں سال 2020 میں جولائی کے مہینے کے وسط تک اس وباء کے سبب مرنے والوں کی تعداد کا اندازہ چھ لاکھ سے زائد تھا اگرچہ یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ ہمارے پاس مکمل اعداد موجود نہیں ہیں۔ کرونا کی وباء کے سبب صحت عامہ کا مسئلہ سنجیدگی سے بڑھا ہے تاہم اس کے اثرات محض اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ جہاں تک ہمارے پاس معلومات ہیں اس وباء کے سبب عالمگیر معاشی مندی نے زور پکڑا ہے، امیر اور غریب کے مابین خلیج اور بڑھ گئی ہے، اس کی زد میں اقلیتیں آئی ہیں، غرباء، کم تعلیم یافتہ افراد اور غیر یورپی نسل کے لوگ اس کا بڑا نشانہ بنے ہیں۔ اور اس وباء کے سبب سازشی نظریات نے بھی سر اٹھایا ہے، نیم حکیم طبقے نے اس کی فوری علاج کے لئے ٹوٹکے گھڑے ہیں اور سیاسی جذبات گروں نے اس وباء کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔

ایف ای ایس پاکستان- جرمنی سے تعلق رکھنے والے ادارے فریڈرک ایبرٹ سٹفٹنگ کے پاکستان آفس نے پاکستانی سماج پر کرونا کے اثرات کی جانچ کے لئے کئی تحقیقی اسٹڈیز سرانجام دی ہیں۔ ان تحقیقاتی اسٹڈیز کے موضوعات میں پاکستانی صحافت اور میڈیا پر اس کے اثرات، غریب اور کارکن طبقے پر اس کے اثرات اور مجموعی سماج پر اس کے طویل اثرات کی جانچ ہے۔ سب سے پہلی اسٹڈی کا موضوع مخصوصاً پاکستان نہیں ہے بلکہ اس کا موضوع یہ ہے کہ ہمارے مجموعی عالمی سماج کے لئے اس وباء کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ تاہم اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں یہ علم ہو کہ کرونا ہم سب کے لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر کیا معنی رکھتا ہے تو ہمیں اس کی عالمی مطابقت کو بھی مدنظر رکھنا ہو گا۔ ہمیں اس پہلی اسٹڈی کو پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ اس کے مصنف ڈاکٹر یوخن ہپلر ہیں جو کہ ایف ای ایس پاکستان کے کنٹری ڈائریکٹر ہیں، آپ ماہر امور سیاسیات ہیں اور اس شعبے میں بین الاقوامی تعلقات کے موضوعات پر آپ کو مہارت حاصل ہے۔

ایف ای ایس پاکستان یہ توقع کرتا ہے کہ یہ تحقیقاتی اسٹڈیز کی یہ سیریز پاکستان میں کرونا کی وباء کے دوران مؤثر معلومات اور تجزیات فراہم کرے گی اور اس کے سبب تعمیری مباحث ترتیب پائیں گے۔ اس طرح پاکستانی ریاست اور سماج کرونا کی وباء سے نمٹنے کے لئے اپنے وسائل کو مضبوط کر سکے گا۔

سدرہ سعید

پروگرام کوآرڈینیٹر

فریڈرک ایبرٹ سٹفٹنگ پاکستان

کرونا کے عالمی اثرات

یہ وباء دنیا کو کس طرح تبدیل کر رہی ہے۔

یوخن ہپلر

بیماری، وباء اور عالمی وبائی بیماریاں انسانوں کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہیں۔ ماہرین آثار قدیمہ نے ہزاروں سال پرانی ممیوں میں بیماریوں کی علامات کو ثابت کیا ہے اور ان میں کئی بیماریاں جان لیوا ہیں۔ حتیٰ کہ ہزاروں سال پہلے مرنے والے انسانوں کی باقیات میں بھی سائنسدانوں نے نا صرف ذاتی عناد پہ مبنی تشدد کے نشانات دیکھے ہیں بلکہ ان میں بیماریوں کی علامات بھی دریافت کی ہیں۔ طاعون کے بیکٹریا کے جینیاتی ارتقاء کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے۔ چھٹی صدی عیسویں میں طاعون کی عالمی وباء سے 10 کروڑ سے زائد افراد ایک ایسے عہد میں لقمہ ءاجل بنے جس میں آج کی دنیا کی مانند بہت زیادہ آبادی بھی نہیں تھی۔ ہزاروں سال تک بیماریاں، وبائیں اور عالمی وبائیں انسانی فہم کے لئے ایک معمہ بنی رہیں۔ عام طور پر انہیں انسانوں کے گناہوں یا سرکشیوں کے جواب میں خدا یا کسی اور روحانی طاقت کی جانب سے سزا سمجھا جاتا رہا۔ اسی لئے ان سے بچاؤ کے لئے مذہبی اعمال مثلاً دعائیں، روزے، قربانی، یا دیگر اجتماعی مذہبی عبادات کو مقدس مذہبی مقامات پر سر انجام دیا جاتا تھا۔ ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ کار گر رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بڑے مذہبی اجتماعات سے بیماریوں کے پھیلاؤ کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے۔

بہت سی جہتوں میں آج کے عہد کا انسان ماضی کی مانند بے بس نہیں ہے۔ ہمیں بیکٹریا، وائرس، انفیکشن ہونے کے خاص ذرائع اور حتیٰ کہ سائنسی و طبّی علاج معالجے تک مہارت حاصل ہو چکی ہے۔ آج طاعون کا مرض متروک ہونے کے قریب ہے۔ اگرچہ بیماریاں آج بھی

بہت سی جانوں کے ضیاع اور دیگر صعوبتوں کا باعث ہیں تاہم صدیوں پہلے جیسی بے بسی آج محسوس نہیں ہوتی۔ کچھ ڈرا دینے والے استثنائی وائرس مثلاً ایبولا کو نہایت کامیابی سے انہی علاقوں تک محدود کر دیا گیا ہے جہاں سے اس کا آغاز ہوا۔ کچھ بیماریوں کا تدارک ان کے شروع ہونے سے پہلے ہی ممکن ہے مثلاً بہتر صفائی کے انتظامات سے یا حفاظتی ویکسین یا دیگر احتیاطی تدابیر سے اور بیماری ہو جانے کی صورت میں علاج کے ذریعے صحت یابی ممکن ہے۔ جدید ادویات، جن کا انحصار خاص سائنسی تحقیق پہ ہوتا ہے، اس بڑی تبدیلی کی بنیادی وجہ ہیں۔

آج، کرونا وائرس (اصطلاحاً: سارس-کوو-2) اور اس کے نتیجے میں آنے والی بیماری (کووڈ-19) بہت سی جہتوں میں ایک مختلف بیماری ہیں۔ اس سے پیدا شدہ مسائل کے نہ صرف طبّی اثرات ہیں بلکہ اس کی وجہ سے ہمارے سماج اور طرز فکر و محسوسات تک متاثر ہو رہے ہیں۔ اور پچھلے چند ہی ہفتوں میں ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ کرونا نہ صرف صحت کا مسئلہ ہے بلکہ یہ معاشی، سیاسی، سماجی اور نفسیاتی مسئلہ بھی ہے۔ اور یہ بہت حد تک ممکن ہے کہ اس کے بعض اثرات ہمارے سماج میں دیر تک باقی رہیں گے چاہے صحت کا مسئلہ حل ہی کیوں نہ ہو چکا ہو۔

ہم یہاں کرونا کی وباء کے نتیجے میں جنم لینے والے مسائل کا مختصر جائزہ لیتے ہیں جو اسے مقامی اور عالمی سطح پہ ایک خاص بیماری بناتے ہیں۔

سائنس کا کلیدی کردار

نئی ساخت کے کرونا وائرس نے بہت تقویت سے ہمیں یہ باور کروایا ہے کہ اگرچہ اکیسویں صدی کی سائنس بہت ترقی یافتہ ہے تاہم یہ نئی وباؤں یا بیماریوں سے بچاؤ کی یا انسانیت کے مسائل اور تباہیوں سے ازالے کی گارنٹی نہیں دے سکتی۔ دراصل سائنس کے متعلق ہمارا تصور شائد بدل گیا ہو اور ممکنہ طور پر ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ تاہم خیالات میں یہ تبدیلی ہمیشہ مثبت ہو، یہ ضروری نہیں ہے۔ سائنسدان بیماریوں اور ان کے پھیلاؤ کے طریقوں کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں۔ تاہم انہیں یہ ماننا ہو گا کہ وہ اس خاص طرح کی بیماری یعنی کرونا وائرس اور اس کی وجہ سے ہونے والی علالت سے متعلق زیادہ آگاہ نہیں ہیں۔ وہ اس کے متعلق روزانہ کی بنیاد پر تحقیق کر رہے ہیں اور سیکھ رہے ہیں، وہ عوام اور حکومتوں کو نصیحتیں کر رہے ہیں اور انہیں وائرس کے متعلق تمام نتائج سامنے آ جانے تک ایسا کرتے رہنا چاہیئے۔ یہ بہت سے شہریوں کے لئے ایک طرح کا نفسیاتی چیلنج ہے۔ وہ انہی سائنسدانوں پر بھروسہ کرنے پر مجبور ہیں جو کہ یہ اعتراف کرتے ہیں انہیں نہ تو وائرس کی مکمل معلومات ہیں اور نہ ہی وہ اس کو مکمل طور پر سمجھ سکے ہیں۔ اس کی وجہ سے ایسے خود ساختہ حکیموں کو موقع ملتا ہے جو اس کے متعلق اگرچہ کچھ بھی نہیں جانتے تاہم اس کے مضحکہ خیز علاج تجویز کرتے رہتے ہیں۔ اس معاملے میں جہالت کی حد تشویش ناک ہے۔ یہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ بعض افراد یہ تجویز کر رہے ہیں کہ انسانوں کو وائرس کش انجکشن لگایا جائے اور بعض لوگ اس کا علاج یو وی لائٹ کے ذریعے متعارف کروا رہے ہیں۔ ایران میں سینکڑوں لوگ صرف اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے وائرس ختم کرنے کے لئے انڈسٹریل الکوحل پی لیا جو کہ انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں پیا تھا۔ اسی ملک میں ایک "ملاں" نے یہ تجویز کیا کہ وائرس کا علاج اونٹ کا پیشاب پینے میں ہے۔ بحران کے دنوں میں انسانوں کی بے وقوفیوں کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ دوسری جانب موجودہ صورتحال، ہمارے لئے سماج میں سائنس کے کردار کو واضح کرنے میں ہماری مدد کر سکتی ہے۔ ہم سیکھ سکتے ہیں اگر یہ ابھی بھی ضروری ہے، کہ ہمیں سائنس اور سائنس دانوں پر یقین نہیں رکھنا چاہیے، اور نہ ہی یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ کیونکہ وہ سب کچھ نہیں جانتے۔ وہ خدا نہیں ہیں۔ سائنس کوئی طے شدہ لامحدود دانش کا نام نہیں ہے۔ یہ انسانوں کے بنائے ہوئے طریقہ کار کا نام ہے جس میں وہ ایک ضابطہ کے تحت ان چیزوں کے بارے میں جاننا سیکھتے ہیں جنہیں وہ جانتے نہیں تھے یا انہیں اس کی سمجھ نہیں تھی ۔ یہ مرحلہ بوجھل بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ہمیں ایسے نتائج بھی مہیا کر سکتا

ہے جو وقت کی آزمائش پر (یا بہتر تحقیق پر) پورے نہ اترتے ہوں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ غلطیاں کر دے۔ محققین، ماہرین تعلیم اور سائنسدانوں پر اندھا دھند یقین کرنا بے وقوفی ہو گی کیونکہ سائنس کسی یقین یا عقیدے کا معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ تو بدلتے ہوئے موجودہ حقائق کو جانچنے کی اور نتائج اخذ کرنے منطق ہے اور بعض اوقات جیسا کہ آج ہم خواہش کرتے ہوں گے کہ ہمارے مطلوبہ نتائج جلد سامنے آئیں۔ مگر دوسری جانب یہ حقیقت کہ تحقیق اور سائنس محض انسانی سرگرمیاں ہیں جو ایک پیچیدہ مظہر کو سمجھنے کے لئے ہماری باضابطہ اور سنجیدہ کوشش ہیں نہ کہ یہ کوئی ایسا حوض ہیں کہ اس میں ہر چیز کے بارے میں کامل علم موجود ہو گا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیں اس عمل کو مسترد کر دینا چاہیے یا اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس یہی سب کچھ تو ہے جو ہمارے پاس ہے ایسے بہت سے مسائل اور مشکلوں کے لئے جیسا کہ یہ وائرس ہے۔ اسی لیے سائنس کے ساتھ ہمارا تعلق مثبت ہونا چاہیے، اندھا نہیں، تنقیدی ہونا چاہیئے مگر عقیدہ جیسا نہیں، سوالیہ مگر معاون۔ سیاسی فیصلہ سازی اور انسانی رویوں کی جانچ کے لئے جبکہ سائنسدانوں کو علم مکمل نہ ہو، سائنس اور سنجیدہ تحقیق کی ضرورت کو قبول کرنے کا عمل ہی ایک بالغانہ طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہو وہ غلط اور بے وقوفانہ ہو گا۔ اس کی وجہ سے جاہل لوگ طاقتور ہوں گے اور وہ لوگ جو زیادہ نہیں جانتے مگر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ سب جانتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہم بھی اپنے بدن میں وائرس کش ٹیکے لگائیں اور اونٹ کا پیشاب پیئں۔ میرا یقین کیجیے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ سائنس اپنی حدود سے باہر کامل نہیں ہے مگر یہی کچھ تو ہے جو ہمارے پاس ہے۔

نئی اور پرانی بے چارگی

کرونا وائرس نے ہمارے سماج میں ایک بار پھر لاچارگی کی کیفیت کو متعارف کروایا ہے ۔یا مزید وضاحت سے بیان کیا جائے کہ یہ ہمیں اُس چارگی کی یاد دہانی کروا رہا ہے، جہاں ایک جانب سماجی سطح پر بہت سے افراد اس کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں کہ ہم بطور سماج یا سماجوں کے اپنے اپنے مقدر خود ہی ترتیب دیتے ہیں، بہت سے لوگ اپنی زندگیوں کے متعلق ایسا نہیں سوچتے یہ مفروضہ خواہش یا سراب جو کہ ہماری سیاسی، سماجی اور معاشی اشرافیہ کے بخوبی علم میں ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور یہ کہ وہ ہمارے مقدر کے مالک ہیں، بہت عام ہے۔ تاہم بہت سے شہری اور ملازمین اس طرح سے پرامید نظر نہیں آتے کہ وہ اپنی زندگیوں پر اختیار رکھتے ہیں۔ بے روزگاری کا

خوف و خطرہ جو کہ دوسروں سے لاحق رہتا ہے، عام طور پر یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا۔ یہ ہمارے اپنے مالکان ہیں یا ان کے مقابل، یا نادیدہ بازاری قوتیں جو سب ہماری انفرادی ملازمتوں اور اپنے خاندانوں کے لیے ہمارے کفیل بننے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اپنی زندگیوں کو اپنے اختیار میں رکھنا بہت سے لوگوں کے لئے ایک ایسا سراب ہے جو کہ محض مراعات یافتہ با اثر طاقتور اور امیر طبقے کو حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ طبقہ بھی اس اختیار سے محروم ہو سکتا ہے: صدام حسین کی تو جان تک چلی گئی، جبکہ رچرڈ نکسن یا پرویز مشرف سے مناصب چھن گئے۔ اور بے تحاشہ دولت کی مالک کاروباری کمپنیاں اپنے سے بڑی مچھلیوں کا لقمہ بن جاتی ہیں۔ معاملات کو اپنے قابو میں رکھنا ہی بہت سے لوگوں کو پسند ہوتا ہے اور حکومتیں اس شبیہ کی تشہیر کرتی نظر آتی ہے اگرچہ وہ جھوٹ ہی کیوں نہ ہو۔ اسی اثنا میں جارح ہونا یا بڑبولا ہونا، با اختیار ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اس سے مراد بد اخلاقی، انا پسندی اور محض جارحیت ہی ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کسی کے پاس مسائل کے حل کے لئے کوئی قابل عمل منصوبہ نہیں ہے۔ جیسا کہ کرونا وائرس کے مسئلے کے دوران ڈونلڈ ٹرمپ نے ایسی صورتحال کا بخوبی مظاہرہ کیا۔ جب نئی طرز کے وائرس نے حملہ کیا تو کسی کے پاس کوئی علاج یا ویکسین نہیں تھی ۔ صرف اور صرف انسانی معاشرے پر خود ساختہ پابندی عائد کر کے اسے ممکنہ طور پر جامد کر دینے سے ہی اس کا اضافہ روکنا ممکن ہے جو کہ ہر طرح کی سیاست، مذہب، سائنس اور ہمارے معاشروں کی بے چارگی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے پاس اختیار نہیں تھا، بالکل بھی نہیں تھا۔

سماجی فاصلہ بطور ثقافت

بے چارگی کا اجنبی ثقافتی اظہار چہرے پر ماسک چڑھانا اور جس چیز کو ہم سماجی فاصلہ کہتے ہیں، اس پر عمل کرنا ہے چونکہ ہمارے پاس اس وائرس کا اور اس کے نتیجے میں پھیلنے والی بیماری کا کوئی طبّی علاج موجود نہیں ہے۔ ہمیں یہ ہدایات کی گئی ہیں کہ ان لوگوں کے قریب نہ جائیں جو ہمارے اہل خانہ نہیں ہیں۔ ہمیں یہ کہا گیا ہے ایک دوسرے سے کم از کم دو میٹر کا فاصلہ رکھیں تا کہ وائرس لگنے کا خطرہ کم ہو اور ہم دوسروں کو بھی اس سے محفوظ رکھ سکیں۔ موجودہ حالات کے پیش نظر یہی صورتحال بلا شبہ عقلمندانہ اور ضروری ہے۔
تاہم اس صورتحال کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو چہرے پر ماسک پہن کر مل رہے ہیں، اپنے چہرے چھپائے ہوئے ہیں اور یوں ایک دوسرے کی مسکراہٹ، چہرے کی بناوٹ اور تاثرات دیکھنے سے محروم ہیں۔ یہ ہم سے ہماری انفرادیت چھین لینے جیسا ہے۔ اسی اثناء میں ایک دوسرے سے فاصلہ رکھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہم دوسروں کو ایک ممکنہ خطرہ تو سمجھ رہے ہیں مگر دوست، شریک حیات یا دوسرا انسان نہیں سمجھ رہے۔ ہم خود ساختہ تنہائی اختیار کر رہے ہیں یا ہمیں جبراً خود ساختہ تنہائی یا قرنطینہ پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اور جب کبھی ہم دوسروں سے

مارکیٹ میں یا کسی دوسری جگہ پر ملتے ہیں تو ہمیں بہت برا لگتا ہے جب وہ ہمارے زیادہ قریب ہونے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ دوست، عزیز رشتہ دار اور ہمارا شریک حیات تک ہمارے لئے ممکنہ خطرہ ہے جو شاید ہمیں لاعلمی ہی میں کروناوائرس منتقل کرنے کا سبب بن سکتے ہیں ۔ یہ صورتحال کسی حد تک سماجی تعلقات کو ثقافتی طور پر تبدیل کر رہی ہے۔اب یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کے قریب جائیں یا سبھی لوگوں سے فاصلے پر رہیں۔ایک طبّی ضرورت یا سماجی عمل کے علاوہ یہ ہماری ثقافت میں بھی ایک تبدیلی ہے جو کہ امید ہے کہ عارضی ہوگی ۔اس سے پہلے لوگوں کے قریب ہونا ایک مثبت عمل سمجھا جاتا تھا جب تک وہ سماجی قیود کا لحاظ رکھتے تھے۔ یہ ایک طرح سے ہمدردی کا، ایک گروپ میں ہونے کا، باہمی تعاون اور دوستی کا اظہار تھا۔اب اسے غیر ذمہ داری کا، لاپرواہی کا یا دوسروں کی صحت کا لحاظ نہ رکھنے کا عمل سمجھا جاتا ہے۔ جس کی ایک منطقی وجہ ہے۔ چہرے پر ماسک اور سماجی فاصلے کا ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ لازمی ہیں۔ اس کی وجہ سے سماجی فاصلے کی ثقافت اور انفرادیت پر مبنی سماج جنم لے رہا ہے۔تاحال ہمیں یہ یقین ہے کہ کروناوائرس کے ختم ہوتے ہی یہ رواج اختتام پذیر ہو جائے گا مگر کیا یہ احتیاطیں واقعی کسی فاصلاتی ثقافت میں تبدیل نہیں ہو جائیں گی اگر یہ وائرس آئندہ ایک یا دو سال تک ختم نہ ہوا تو؟

اگلا بحران ممکن ہے کہ آس پاس ہی ہو؟

نئے وائرس کا خطرہ کسی حد تک ذاتی ہے۔ ہمیں ممکنہ طور پر کسی ہمسائے یا رشتہ دار سے بھی وائرس منتقل ہو سکتا ہے اور یہ شادی یا کسی عبادتگاہ میں سے بھی لگ سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم خود اس بات سے بے خبر ہوں کہ ہمارے جسم میں وائرس موجود ہے اور ہم یہ پھیلاتے رہیں۔ اسی اثنا میں یہ بھی کہ کروناوائرس ایک بہت ہی تجریدی قسم کا وائرس ہے۔ ہم اسے دیکھ نہیں سکتے، چھو نہیں سکتے، سونگھ یا چکھ نہیں سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اس وقت بھی کمرے میں موجود ہو یا نہ ہو، ہمارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ نادیدہ ہے اگرچہ ہم لوگ ذاتی طور پر اپنے آپ کو اپنے گھروں میں دو مہینے تک مسلسل قید رکھ کر اس سے بچاؤ کر سکتے ہیں، کم از کم طبّی ہدایات میں ایسا ہی درج ہے۔ تاہم اس وقت تک اس نادیدہ دشمن کو شکست دینے کا کوئی ہتھیار ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہم امید کر سکتے ہیں کہ اس کی شدت کم ہو جائے گی، ہم اس کے پھیلاؤ کو آہستہ کر سکتے ہیں (سماجی فاصلے کو برقرار رکھ کر اور اپنے ہاتھوں کو بار بار دھو کر) تاکہ ہمارا طبّی نظام بیٹھ ہی نہ جائے جیسا کہ پہلے بیان کیا ہے یہ بہت غیر روایتی سا خطرہ ہے۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کے علاوہ بھی دیگر خطرات موجود ہیں جو ہمیں اس طرح بے یار و مددگار بنا سکتے ہیں۔ کچھ اس کے مماثل ہوں گے اور کچھ ممکن ہے کہ بہت مختلف ہوں۔ ہو سکتا ہے ہماری دنیا سے کوئی شہابیہ یا کوئی اور بڑے حجم کی چیز خلا سے آ کر ٹکرا جائے۔ ماہرین کی رائے کے مطابق شماریات کی جانچ کریں تو آئندہ دہائیوں میں ایسا ہونے کا امکان کم ہے تاہم اس کے نتیجے میں ہونے والی تباہی کے اثرات ہمیں اس خطرے کو نظرانداز نہیں کرنے نہیں دیتے۔ اسی طرح کے اعداد و شمار کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ڈائنوسار کو تو آج بھی ہمارے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ عالمی حدت اور ماحولیاتی تبدیلی، دیگر نوعیت کے بڑے خطرات ہیں جو اس کرہ ارض کے بڑے حصوں کو بنجر کئے جا رہے ہیں۔ ان کے سبب خوراک کی پیداوار محدود ہو رہی ہے اور سمندروں میں سطحِ آب خطرناک حد تک بلند ہو رہی ہے۔ یہ خطرات ایک شہابیے کے ٹکرانے سے مختلف نوعیت کے ہیں یہ صرف ممکنہ خطرات نہیں ہیں بلکہ یہ وہ حقیقی خطرات ہیں جو ایک بار یکبارگی سے تباہی پھیلانے کی بجائے آہستگی سے ہی کرہ ارض کو تباہ کر رہے ہیں۔ انہیں اپنی پوری شدت کی تباہی لانے میں سالوں یا صدیاں لگ سکتی ہیں۔ اور

بھی کئی طرح کے خطرات موجود ہیں، مثال کے طور پر ایک نیوکلیائی خطرہ چاہے وہ فوجی نوعیت کا ہو یا سویلین نوعیت کا، نیوکلیئر تابکاری کا غیر مرئی خوف، چرنوبل یا فوکوشیما جیسے نیوکلیئر حادثات، جو کہ بڑی نوعیت کے ہوں یا ایسے نیوکلیئر ہتھیار کا خوف جو نہ صرف لاکھوں جانیں لے جائے بلکہ اس کے سبب دنیا میں "نیوکلیئر موسم سرما" پھیل جائے اور یہ کرہ ارض انسانوں کے رہنے کے لائق ہی نہ رہے اور زمین پر ایسے حالات پیدا ہو جائیں جن کا پہلے مثالوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کروناوائرس کے بعد کوئی دوسری عالمی بیماری پھیل جائے۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ آئندہ چند صدیوں میں آئے گی یا کل ہی آجائے گی لیکن ہمیں یہ یقین ضرور ہے کہ یہ آئے گی ۔اور اگر یہ وائرس موجودہ وائرس سے متعدی اور جان لیوا ہوا جو کہ ناممکن نہیں ہے، تو ہم تصور کر سکتے ہیں کہ کیا مصائب رونما ہوں گے اور کس پیمانے تک انسانی جانوں کا ضیاع ہوگا۔ آج سے پہلے کرہ ارض پہ اس طرح کی تباہی کی مثالیں موجود ہیں جیسا کہ "ہسپانوی فلو" جو پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر پھوٹ پڑا اور شائد 5 کروڑ یا اس سے زائد انسانوں کی موت کا سبب بنا۔

کروناوائرس یا کووڈ-19 کے مقابلے میں مستقبل کے وائرس میں ممکنہ طور پر مماثلتیں یا اور مختلفات ہو سکتے ہیں۔ بہت سارے واقعات کے مطابق اس طرح کی تباہی کے امکانات اصولی طور پر موجود ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ رونما ہو سکتے ہیں۔ لیکن بعض مثالوں میں ایسی ناگہانی آفت کی آمد ہمارے لئے ایک یک لخت جھٹکے کی مانند بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ حالیہ کروناوائرس۔ چند ہی ہفتوں میں یہ وائرس وہاں سے نکل کر عالمی وباء بن گیا۔ فی الفور اور فوری رد عمل ہی یہ طے کر سکتا تھا کہ یہ مقامی مسئلے کی حد تک رہے گا یا یہ عالمی آفت میں تبدیل ہو جائے گا۔ دوسری مثالوں میں جیسا کہ ماحولیاتی تبدیلی، ہمارے پاس اس کے رد عمل کے لئے کئی سال یا دہائیوں تک کا وقت ہے۔ مگر بری خبر یہ ہے کہ ہم نے پہلے ہی بہت سا وقت ضائع کر دیا ہے اور آئندہ بھی یہ سب سال اور دہائیاں اپنی سست فطرت کے سبب آنکھیں بند کر کے اس امید پہ ضائع کر دیں گے کیونکہ ہمارے فیصلہ سازوں کے خود غرضانہ مفادات اور ہماری اس فطرت کے سبب ہم مستقبل بعید میں اجتماعی تحفظ کو ترجیح دینے کی بجائے مختصر معاشی فوائد کو فوقیت دیتے ہیں۔ بہر حال ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ عالمی آفات باوجود ہماری تمام تر تکنیکی سائنسی ترقی کے نوع انسانی کے لئے واضح خطرہ ہیں اور یہ ایک خطرے کے طور پر موجود رہی ہیں۔ اور انفرادی اجتماعی تحفظ کا ایک ہی موثر اور عمومی طریقہ کار ہو سکتا ہے کہ ہم پہلے سے ہی تیار ہوں اور اگر ممکن ہو سکے تو آفت کے آنے سے پہلے ہی اس کا سد باب کر لیں۔ ہمیں یہ اندازہ بھی ہونا چاہیئے کہ اس طرح کا دفاع مفت نہیں ہوگا بلکہ اس کی ایک قیمت ہوگی جو بہت حد تک بھاری ہو سکتی ہے۔ اگر ہم وہ قیمت ادا نہیں کریں گے تو یہ خود کشی کا معاملہ ہوگا۔

کیا اب ہم عالمگیریت کو سمجھ گئے ہیں؟

ایک اور نکتہ جو اس سارے معاملے سے جڑا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کروناوباء سے عالمگیریت کا کردار اور نوعیت سمجھ سکتے ہیں۔ پچھلی ایک دہائی نے جو ایک بڑا عروج دیکھا ہے وہ دنیا بھر میں قوم پرستی اور جنونیت کا عروج ہے چاہے وہ مشرق میں ہو، مغرب میں ہو، شمال میں ہو یا جنوب میں۔ بڑبولے اور غیر ذمہ دار سیاستدانوں نے عالمی تعاون کو جارحانہ انداز میں نقصان پہنچایا ہے۔ اور انہوں نے معاونانہ کثیر القومیت کو زک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ ظاہر کیا ہے کہ ان کی پہلی ترجیح اپنا ملک ہے بجائے اس کے، کہ وہ مل جل کر اجتماعی مسائل کو حل کریں خود غرضی کی پیروی کی گئی تھی اور کی جارہی ہے۔ اور انانیت کو ایک رہنما اصول کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ اور جبکہ یہ پروپیگنڈہ پھیلانے والے کچھ سیکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو کوئی بھی کھلے ذہن کا سمجھدار آدمی کروناوائرس سے پیدا ہونے والے بحران کے متعلق دو

باتیں سمجھ سکتا ہے، اولاً چاہے ہم پسند کریں یا نہیں تمام برادریاں اور تمام ممالک حتیٰ کہ تمام افراد ایک دوسرے پر انحصار کر رہے ہیں اور یہ تمام افراد ہی ایک دوسرے کی فلاح ہیں۔ اور جب ایک وائرس چین کی غیر اہم مقامی مارکیٹ سے پھوٹا تو اسے پوری دنیا تک پھیلنے میں چند ہی ہفتے لگے۔ یہ اس امر کا برملا اظہار ہے کہ ہم سب کس قدر ایک دوسرے پر باہمی انحصار کرتے ہیں۔ کرونا نے صرف چین اور مشرقی ایشیاء کو ہی نشانہ نہیں بنایا بلکہ ہم سب اس کا کسی نہ کسی سطح پہ شکار ہوئے ہیں۔ وہ ممالک جو اس وائرس سے متاثر ہوئے ان میں مشرق وسطیٰ میں ایران ، یورپ میں برطانیہ اٹلی، اسپین اور روس، شمالی امریکہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ اور میکسیکو، جنوبی امریکہ میں برازیل اور پیرو شامل ہیں۔ بہت سے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ افریقہ اور ایشیاء میں غریب لوگ اس بیماری سے بہت جلد اور بہت زیادہ متاثر ہو جائیں گے۔ یہ عالمگیریت کی وہ سمت ہے جو ہم نہیں چاہیں گے کہ اس کا تجربہ کریں۔ یہ صرف سائنسی ترقی، دولت، پاپ کلچر، اشیائے صرف اور ہوائی جہاز ہی تو نہیں ہیں جو سارے عالم میں پھیلے ہیں بلکہ تشدد اور بیماریاں ان کے ساتھ ساتھ عالمگیر حدوں کو چھو رہی ہیں۔ یہ اس چیز کی عکاسی کرتا ہے کہ وباء کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بحران کے خاتمے کے لئے محض ایک بٹن دبا کر عالمگیریت کو ختم کیا جا سکتا ہے مثال کے طور پر سرحدیں بند کر کے اور سفری بندشیں عائد کر کے۔ حتیٰ کہ یورپی یونین کے ممالک نے اپنے پڑوسی ممالک کے ساتھ اپنی سرحدیں بند کر دیں۔ یہ حکمت عملی بہت سے ممالک کی حالیہ احیائے وطن کی قوم پرستانہ سیاست سے بہت مطابقت رکھتی ہے اور اس عجیب تصور کے ساتھ خوب منتھی ہوتی ہے کہ تمام مسائل کی وجہ تو غیر ملکی تارکین وطن ہیں اور ان کا ہمارے ساتھ کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ بہت سے لوگ بہر حال یہ سمجھتے ہیں کہ وباء عالمی نوعیت کی ہے اور اس کے خلاف جنگ کے لئے مقامی سطح کے شٹ ڈاؤن کے علاوہ ایک عالمی معاونت اور کوشش کی ضرورت ہے۔ اسی اثناء میں تعلقات توڑنے اور لاک ڈاؤن کرنے کی پالیسی جزوقتی ہو گی اور اگر اسے پوری طرح سختی سے اور طویل مدت تک اختیار کیا گیا تو اس کے نتیجے میں عالمی معیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی جو اپنی اصل میں ایک عالمگیر سچ ہے۔

نئی قوم پرستی کی نہیں بلکہ عالمی تعاون کی ضرورت ہے۔

اس بحران کے عالمی کردار سے ہم یہ سیکھ پا رہے ہیں کہ اس کا حل کوئی مقامی یا قومی سطح سے نہیں ہونے والا۔ جہاں تمام ممالک اور شہروں کو اپنے حصے کا کام کرتے ہوئے وباء کے خلاف گھر کی سطح پہ جنگ کرنی ہے یہ تب تک کارگر ثابت نہیں ہو گا جب تک متاثرہ ممالک اور برادریاں بھی اس کے خلاف سختی سے سرگرم عمل نہیں ہوں گے۔ نئی طرز کا کرونا وائرس ایک مقامی مارکیٹ سے پھوٹا تھا اور اس نے ابتداء میں چند ہی لوگوں کو بیمار کیا تھا۔ اگر اس بیماری کے صرف چند " ہاٹ سپاٹ " بھی باقی رہ گئے تو پھر ہمیں دوسری اور بعد ازاں تیسری لہر کے لئے بھی تیار رہنا ہو گا۔ اس وقت عالمی تعاون کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور عالمی ادارہ صحت پر مالی الزامات لگانا یا بیان بازی کرنا اور دیگر ممالک مثلاً چین پر الزامات دھرنا، فائدہ مند نہیں ہو گا اور یہ سیاسی بچگانہ پن کی نشانی ہے۔ یہ بہت عام فہم بات ہے کہ کووڈ-19 یا کرونا وائرس کا علاج صرف ایسی صورت میں ہو سکے گا جب ہم اس کی ویکسین بنا لیں گے اور بیماری کے تدارک کے لئے مؤثر اور کارگر ادویات تیار کریں گے۔ بین الاقوامی تعاون سے وائرس کے خلاف کامیابی ممکن ہے نا کہ ہم کسی کی تحقیقات کو چوری کر کے یہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ یورپ کی جانب سے وائرس کے تدارک کے لئے کی جانے والی تحقیق کی مد میں 7اعشاریہ 5ارب یورو کی رقم کا مختص کیا جانا ایک خوش آئند امر ہے بخلاف اس کے، کہ ڈونلڈ ٹرمپ کے اس سراب کے پیچھے دوڑ لگائی جائے جس کا نام " سب سے پہلے امریکہ " ہے۔ وائرس کسی سرحد یا کسی پاسپورٹ کو دیکھ کر حملہ آور نہیں ہوتا۔

وقت آن پہنچا ہے کہ بازار کی بنیاد پرستی اور ریاست مخالف تصورات کو دفن کردیا جائے

دوسرا اہم سبق جو ہم نے سیکھا وہ فری مارکیٹ اور ریاست مخالف تصورات ہیں جس کے سبب گزشتہ تین دہائیوں کے دوران معاشی و سماجی حکمت عملیوں کو زہر آلودہ کیا گیا۔ یہ نا صرف ایک تنگ نظر ذہن کی کارستانی تھی بلکہ یہ کھلم کھلا خطرناک تھیں۔ یہ کسی ایسے شخص کے لئے کوئی راز کی بات نہیں تھی جو اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہے اور اب اسے زیادہ وقت نظرانداز کرتے رہنا ممکن نہیں رہا۔ کوئی بھی فری مارکیٹ یا اس کا نمائندہ سیاسی نظریہ اس کرونا بحران کو حل نہیں کرسکتا یا کسی بھی اور وباء کو، مگر یہ صرف مؤثر فعال اور پر عزم سیاسی ادارے یعنی یہ ریاست ہے جو اس بحران پر قابو پاسکتی ہے۔ یہ کوئی محض اتفاق نہیں ہے کہ بہت سے بااثر کاروباری ادارے حکومتوں سے رجوع کر رہے ہیں اور عملاً اپنے بچاؤ کے لئے ان سے بھیک مانگ رہے ہیں۔ بہت کم ایسے افراد ہوں گے جو یہ رائے دیں کہ فکر کی کوئی بات نہیں مارکیٹ ہر چیز کی دیکھ بھال خود کرے گی۔ جس چیز کی سب سے پہلے ضرورت ہے وہ کہ ایک شاندار، منظم اور خود مختار نظام صحت ہے اور اس کے بعد سیاسی ادارے جو ایسے رویئے تجویز کر رہے ہوں اور ان کا نفاذ یقینی بنا رہے ہوں جو وباء کے پھیلاؤ کی رفتار کو ممکنہ حد تک کم سے کم رکھ سکیں۔ مزید

برآں ہماری حکومتوں اور ریاستوں کی جانب سے ایک مستحکم سیاسی و معاشی حکمت عملی متعارف کروانے کی ضرورت ہے۔ جب ریاستیں اور حکومتیں اپنے فرائض سرانجام نہیں دے رہیں ، اپنے ہاں ادارہ جاتی کمزوریوں کے سبب یا نالائقی و نااہلی کے سبب یا کسی نظریاتی بنیادوں پر، تو ایسی صورت میں ان کے معاشرے انسانی جانوں کے ضیاع کے نقصانات اٹھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ امیر ممالک نے بھی اپنے ہاں صحت عامہ کے شعبے کو نظرانداز کیا ہے۔ اس کی معاونت سے یکسر ہاتھ اٹھالیا ہے۔ جس کے نتیجے میں صحت عامہ کے شعبے کو یا تو فنڈز کی کمی کا سامنا ہے یا وہ غیر مؤثر ہو کر رہ گیا ہے۔ یوں غریب لوگوں کو یا ان لوگوں کو جن کے پاس ہیلتھ انشورنش نہیں ہے، کی صحت کے نظام تک رسائی ناممکن بنادی گئی ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور برطانیہ دنیا کی دیگر حکومتوں کے لئے مثالیں ہیں جو صحت عامہ کے شعبے کو چلا رہی ہیں، اپنوں نے جان بوجھ کر اس شعبے کو صحت عامہ کے لئے خدمات کی بجائے ایک کاروبار کی مانند چلایا ہے جن پر کاروباری قوتوں کی اجارہ داری ہے۔ یہ نکتہ بھی دلچسپ ہے کہ دونوں ممالک نے وباء کے متعلق ردعمل میں سستی کا مظاہرہ کیا ہے، یہ ان کی نظریاتی جہالت تھی اور بہت عرصے تک تو وہ نااہلی کی حد تک شش و پنج میں رہے۔ اور ڈونلڈ ٹرمپ تو بورس جانسن سے بھی بُرے ثابت ہوئے کیونکہ بورس جانسن نے تو شائد کرونا وائرس میں مبتلا ہو کر کچھ سیکھا ہی ہو گا۔ جب ہماری حکومتیں محض تصورات میں گم ہو جائیں اور سیاسی ڈھانچے و سیاسی خواہش کے لئے تیار نہ ہوں اور حد درجہ نااہلی کا مظاہرہ کرنے لگ جائیں تو ہمارے معاشرے انسانی جان و مال کے ضیاع کی صورت میں بھاری قیمت ادا کرتے ہیں۔ بالغ نظر سمجھدار سیاستدانوں کی قیادت میں صرف اور صرف فعال اور ہر دم تیار ریاستیں ہی ہمیں وباء اور اس جیسی دیگر آفات سے بچاؤ فراہم کرسکتی ہیں۔ ہم سب کو چاہیئے کہ ریاستی درجے کو کمزور کرنے اور غیر آئینی قرار دینے کی عمل کی مخالفت کریں کیونکہ اس سے صرف ایک مختصر اشرافیہ کو طبقے

کو فائدہ ہو سکتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اسے فعال بنائیں اور اسے مجبور کریں کہ وہ ایک مہذب، شاملاتی اور جمہوری رویۓ اور طریقے اختیار کرے ۔اس نکتے کی مزید وضاحت کے لئے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ وباء کے خلاف کامیاب جنگ کے لئے آئینی اور فعال طرز حکمرانی ہی موثر ہتھیار ہو گا۔ ایک منظم، بہتر انتظامی صلاحیتوں کی حامل باوسائل ریاست جس کے پاس ضروری اور شاملاتی ڈھانچہ ہو گا وہی اس معاملے میں کوئی بہتری دکھا سکتی ہے جبکہ کمزور منتشر اور نااہل قیادت کی حامل حکومتیں ناکام رہیں گی۔

وائرس کے خلاف جنگ کی قیمت: شہری آزادیوں پر سمجھوتہ

یہ ہمیں اس نکتے کی جانب لے جاتا ہے جو بہت ناگوار ہے۔ وائرس کے خلاف جنگ نے شہری آزادیوں اور انسانی حقوق پہ سخت پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ بہت سے ممالک میں حکومتوں نے دکانیں اور کارخانے سرکاری حکمناموں کے تحت بند کر دیۓ ہیں۔ بین الاقوامی سرحدوں پر اور شہروں کے مابین شہریوں کی آزادانہ نقل و حرکت سختی سے محدود ہے۔ حکومت کی جانب سے " سماجی لاک ڈاؤن " لوگوں کو اپنے گھروں سے قانونی جواز (ڈاکٹر کا نسخہ یا حکومتی اجازت نامہ) کے بغیر نکلنے سے روکتا ہے اور لوگ دوستوں اور خاندان کے افراد نہیں مل سکتے۔ لوگ ثقافتی تقاریب میں ،عبادتگاہوں مثلاً گرجاگھروں، سینیگاگوں، مندروں اور مسجدوں وغیرہ میں اکٹھے نہیں ہو سکتے ۔ اور جب ذاتی سطح پہ لامحالہ میل ملاقات کی مجبوری ہو تو ہمیں یہ ہدایت ہے کہ ماسک پہنیں اور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے " سماجی فاصلے " کا اہتمام کریں۔ عام انداز میں سماجی زندگی پر بہت سے ممالک میں جمود لگ گیا ہے۔ کرونا سے پہلے یہ سب ناقابل تصور تھا۔ اگر کسی حکومت نے اپنی زیادہ تر معیشت کو ساقط کر دیا ہوتا، لوگوں کو گھروں پر رہنے کے لئے مجبور کیا ہوتا، انہیں اپنے رشتہ داروں کے پاس جانے سے روکا ہوتا، انہیں کسی بھی طرح کی میل ملاقاتوں میں جانے سے منع کیا ہوتا تو اس کی وجہ سے غصہ اور بغاوت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بغاوت اور غصے کی درست وجہ ہوتی ۔ مگر وباء کی صورت حال کے پیش نظر اور کسی بھی مناسب ویکسین اور دوا کے نہ ہوتے ہوۓ یہی وہ واحد صورت ہے کہ جس کے ذریعے بیماری کا پھیلاؤ روکا جا سکتا ہے۔ اور اسی ذریعے سے صحت کے نظام پر غیر ضروری بوجھ ڈالنے اور اسے منہدم ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ یہ اگرچہ بہت تکلیف دہ اور خطرناک ہے مگر یہ بہت ضروری بھی ہے۔ وباء کی زد میں آنے سے بچاؤ کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ بہت سے لوگوں نے اسے سمجھا اور اسے قبول کیا ہے۔ باوجودیکہ انہیں مشکلات بلکہ صعوبتیں برداشت کرنی پڑی ہیں۔ یہ حال ہی میں ہم نے کی دیکھا ہے کہ عوام کی جانب سے پہلی دفعہ احتجاج یا انکار کیا جا رہا ہے۔

مگر پھر لاک ڈاؤن کا نفاذ اور اس کی قبولیت نہ تو سب جگہوں پر تھی اور نہ سب جگہوں پر ایک جیسی تھی ۔ کچھ ممالک میں حکومتوں نے لاک ڈاؤن کو ممکنہ حد تک نرم رکھا جب انہیں یہ اشارے موصول ہوۓ کہ عوام سماجی فاصلے کے احکامات پر بناء کسی باضابطہ حکومتی احکامات

کے، خود ہی عمل پیرا ہیں۔ سوئیڈن اس کی ایک اچھی مثال ہے۔ دیگر ممالک نے شروع اور ابتداً لاک ڈاؤن کی مزاحمت کی، جس کی عمومی طور پر وجوہات معاشی اور نظریاتی تھیں۔ مثال کے طور پر بیلاروس اور برازیل، جہاں پر ان ممالک کے صدور نے وباء کو ایک "خیالاتی تصور" قرار دیا اور ان صوبائی حکومتوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جنہوں نے قدرے نرم لاک ڈاؤن متعارف کرانے کا اعلان کیا تھا۔ دیگر حکومتی مثلاً اسپین اور فرانس نے اگرچہ تاخیر کے ساتھ سخت احکامات لاگو کئے۔ ان دونوں ممالک میں اور دیگر ممالک میں مثلاً مراکش اور جنوبی افریقہ میں یہ احکامات قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ذریعے نافذ کئے گئے۔ باقی ممالک میں لاک ڈاؤن کے اعلانات قدرے ہچکچاہٹ سے کیے گئے مگر انہیں سنجیدگی سے نافذ نہیں کیا گیا۔ یہاں پاکستان میں صورتحال دلچسپ تھی اگرچہ یہاں پر لاک ڈاؤن کو تاخیر سے لاگو کیا گیا تاہم اس کا اطلاق غیر مساوی تھا۔ بڑے شہروں کے چند حصوں میں اس پر موثر عمل درآمد کروایا گیا مگر چند سماجی اداروں نے اسے اپنے اوپر نافذ کرنے کی مزاحمت کی، مثال کے طور پر مساجد اور دیگر مذہبی ادارے۔ مزید برآں کچھ کاروباری حلقوں نے یہ منظم مہم چلائی کہ لاک ڈاؤن ختم کیا جائے یا نرم کیا جائے اور وہ کسی قدر کامیاب بھی رہے۔ شہروں کے مضافات میں موجود کچی آبادیوں اور دیہاتوں میں معاشی مشکلات اور عمومی لاپرواہی کے سبب لاک ڈاؤن کو نظرانداز کیا گیا۔

صحت عامہ کے لیے پابندیوں کی ضرورت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ پابندیاں نجی اور شہری زندگی کی آزادیوں اور حقوق انسانی کی خلاف ورزیاں نہیں تھیں۔ لوگوں نے اگرچہ انہیں تسلیم کیا شائد انہوں نے ان کی ضرورت کو محسوس کیا ہو اور بظاہر کچھ وقت کے لئے ہی سہی ان کی پیروی پر آمادگی ظاہر کی ۔ مگر جب حکومت نے فیصلہ کر لیا ہے، احکامات جاری کر دیے ہیں، اور ضروری اقدامات نافذ کر دیئے ہیں ۔ یہ شہری آزادیوں پر بڑا سمجھوتہ تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کی پابندیاں صرف اور صرف اسی صورت میں نافذ کی جاسکتی ہیں جب ان کا مقصد انسانی جانوں کا تحفظ اور بڑی تکالیف سے بچاؤ ہو۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے ان کی باقاعدہ سے جانچ کی جانی چاہیے اور اس دوران رضاکارانہ رویوں کو بھی دیکھنا چاہیے: جوں جوں لوگ سماجی فاصلہ کے احکامات کی خود سے پیروی کر رہے ہو توں توں سخت اور لازمی لاک ڈاؤن کی تمام شعبہ ہائے حیات پر کم ہوتی چلی جائے گی ۔ مگر توازن برقرار رکھنے کی مشکل صورت حال یہ ہے ایک جانب بہت سے لوگوں کی جانیں ہیں اور دوسری جانب آزادیاں، اس پر جانچ اور اس کی گفتگو کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اس کا انحصار حکومت اور سماج کے درمیان موجودہ اعتماد پر ہے۔

حکومت وباء کے خلاف جنگ میں ناجائزیاں کر رہی ہیں

اس باہمی اعتماد اور کھلے پن کی اہمیت کو ایسے ممالک میں دیکھا جاسکتا ہے جہاں حکومتیں خاص طور پر آمریتیں کرونا سے پیدا شدہ ہنگامی حالات کو شہری آزادیاں سلب کرنے اور حقوق انسانی کی خلاف ورزیاں کرنے کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔ ان کا مقصد صحت عامہ کا تحفظ نہیں بلکہ سماج پر اپنی طاقت کو بڑھاوا دینا ہے۔ اور بعض اوقات حکومت آسانی سے ایک تیر سے دو شکار کر رہی ہوتی ہیں۔ وہ کرونا سے بچاؤ کے لیے نافذ کردہ پابندیوں کو وائرس کے خلاف اس کے خاتمے اور اپنی آمرانہ طاقت کو مضبوط کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ چین کی مثال لے لیجئے۔ یہاں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی مدد سے عوام کی "رئیل ٹائم" نگرانی کا نظام کرونا کی وباء سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا مگر اسے وباء کے پھیلاؤ کی جانچ کے لیے مضبوط اور بہتر کیا گیا ہے، اب یہ وباء کے گزر جانے کے بعد بھی موجود رہے گا۔ پاکستان میں فوج کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی نے نگرانی کے اس نظام کو جو کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں استعمال ہوتا ہے اسے وائرس کے پھیلاؤ کی جانچ کے لیے استعمال

کیا۔ مثال کے طور پر ترکی اور ہنگری میں حکومتوں نے کرونا وباء کے پھیلاؤ کے تناظر میں بہت ساری طاقتیں اپنے ہاتھوں میں کر لیں جو لا محالہ جمہوریت کو کمزور کرنے اور حکومتی جبر کو مضبوط کرنے کے لئے استعمال ہوں گی۔ بہت سی حکومتیں، خاص طور پر جابرانہ حکومتیں اس ساری صورتحال سے فائدہ اٹھائے بنا رہ نہیں سکتیں۔ بحران کے دنوں میں طاقت کو اپنے ہاتھوں میں لے لینے کا عمل منصفانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن بحران کے گزر جانے کے بعد بھی اس سے پیچھے ہٹنا کوئی احسان نہیں ہے۔ اس طرح کرونا کا بحران پہلے سے موجود اس رجحان کو مزید تقویت دے رہا ہے کہ جمہوری روایات کو کمزور کیا جائے اور جابرانہ حکومتوں کو مزید طاقتور کیا جائے۔

آئینی نظام کی قربانی

ہم کرونا کے خلاف جنگ میں بنیادی انسانی آزادیوں کو سلب کیے جانے کے مسائل کا پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ نقل و حرکت کی آزادی اور اکٹھا ہونے کی آزادی، بہت بنیادی باتیں ہیں مگر یہ فہرست بہت لمبی ہے۔ ہم بنیادی حقوق کو لاکھوں انسانوں کی صحت اور تحفظ کے لئے قربان کر رہے ہیں۔ اپنی آزادیوں کو برقرار رکھنے کے لئے بہت سے لوگوں کی جانوں کو داؤ پر لگانا ایک متنازعہ عمل ہے۔ تاہم انسانی آزادیوں پر پابندیوں کو آسانی سے قبول نہیں کیا جانا چاہئے۔ سب سے پہلے، یہ ایک آئینی مسئلہ ہے۔ بہت سے ممالک میں شہری اور انسانی حقوق آئین میں درج ہیں۔ جبکہ کرونا کے دنوں میں ان پر پابندی کے احکامات موجودہ عمومی انداز کے مبہم قوانین مثال کے طور پر صحت سے متعلق قوانین، ایگزیکٹو آرڈر یا آرڈیننس کرونا کے دنوں کی مناسبت سے پارلیمنٹ کو جلد بازی میں اور خوف کی فضا میں بنانے پڑے۔ اس کی وجہ سے تین مسئلے پیدا ہوئے ہیں۔ اولاً نہ ہی ایگزیکٹو آرڈرز اور نہ ہی پارلیمان کے جاری کیے گئے عمومی ایکٹ قانونی ضروریات کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ حالیہ دنوں میں بحران کے پیش نظر ہم نے عمومی طور پر آئین کو نظر انداز کیا اس کی خلاف ورزی کی ہے۔ ثانیاً ہم یہ سب کیسے یقین کریں کہ یہ سب (کم از کم نیم غیر قانونی) ضروری (اور کچھ اتنا بھی ضروری نہیں) اقدامات کرونا کے بحران کے گزر جانے کے بعد واپس لے لیے جائیں گے۔ کیا آپ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ والا منتر یاد ہے؟ اگرچہ بہت سے ممالک میں دہشت گردی کے متاثرین کی تعداد وباء کے متاثرین (حقیقی اور امکانی) کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ بہت سے ممالک میں شہری آزادیوں اور حقوق انسانی کا دائرہ اختیار محدود کیا گیا جس کا مقصد دہشت گردی کے خلاف جنگ جیتنا تھا۔ بہت سے ممالک میں یہ پابندیاں مستقل کر دی گئیں اور انہیں کبھی ختم نہیں کیا گیا۔ اگرچہ یہ سوچنا محال

ہے کہ لاک ڈاؤن کی کیفیت ہمیشہ رہے گی کیونکہ اس کی ایک معاشی قیمت بہت زیادہ ہے۔ تاہم ہمیں یہ یقینی بنانا ہوگا کہ کرونا کا بحران گزر جانے کے بعد ہماری آزادیوں پر عائد پابندیاں مکمل طور پر اٹھالی جائیں گی۔

پلیز کوئی غلط روایات نہیں، اور اعتماد اور بے اعتمادی کی ضرورت نہیں

اس تناظر میں جو موقف پیش کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ شہری آزادیوں پر عائد بے جا پابندیاں صرف اور صرف حالیہ ہنگامی حالات کے پیش نظر لاگو کی گئی ہیں۔ اگرچہ یہ بہت سے لوگوں کے لیے بالکل ظاہری سی بات کیوں نہ ہو، تاہم اس میں بہت سے مسائل ہوں گے۔

ایک جانب اگر یہ دلیل صرف اس لیے مان لی جائے کہ صرف حالیہ بحران کے لئے ہے تو اگلے بحران کا کیا ہوگا؟ وباؤں کا خطرہ تو ہمیشہ ہی رہے گا۔ اور ہم یہ نہیں جانتے کہ اگلی وباء آئندہ ہفتے حملہ آور ہوگی یا ایک صدی کے بعد۔ اور یہ بھی کہ ایک وباء کی تو بہت ساری لہریں ہوتی ہیں اور یہ ممکنہ طور پر مہینوں نہیں بلکہ سالوں تک چلتی رہے۔ اور یہ بھی کہ، کیا یہ دلیل دیگر نوعیت کے ہنگامی حالات پر بھی لاگو ہوتی ہے ۔ مثال کے طور پر قدرتی آفات، سیاسی عدم استحکام، تشدد کے واقعات، دہشت گردی، عالمی حدت اور ماحولیاتی تبدیلی کے ساتھ وہ تمام ممکنہ بحران جن کا ہم سامنا کر سکتے ہیں۔ کیا مستقبل میں آنے والے تمام بحرانوں سے اسی طرح نمٹا جائے گا جس طرح ہم اس بحران سے نمٹ رہے ہیں۔ حکومتوں کو غیر معمولی اور آئین سے ماوراء طاقت دے کر، یا انہیں کسی بھی آئینی اور قانونی پابندی سے آزاد کر کے، کیا ہم اپنی حکومتوں کے لئے وہ مثالیں قائم نہیں کر رہے ہیں کہ جنہیں وہ آئندہ جب چاہیں اپنی مرضی سے استعمال کر سکیں ("اس سے پہلے بھی کورونا کے بحران میں ہمارے پاس یہ اختیار تھا، اور اس سے فائدہ ہوا۔ ہم انہیں اس حالیہ بحران کے دوران جو اگرچہ کورونا سے مختلف ہے ان کا استعمال کیوں نہ کریں") ہم اگر آئین کو آج نظر انداز کر سکتے ہیں تو مستقبل میں کیوں نہیں؟

جبکہ دوسری جانب یہ فیصلہ کون کرے گا کہ یہ بُرے حالات ہیں یا یہ ایک بحران ہے اور اس سے کرونا ہی کی طرح بے رحمی سے نمٹا جائے گا۔؟ اس طرح کے نئے بحران کی قسمت کا فیصلہ ہمارے ممالک کی سیاسی اشرافیہ اور ہماری حکومتوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ بہت سے معاملات میں، ہمارے پاس ان پر بھروسہ کرنے کی، ان کی نیت کو مثبت سمجھنے کی، ان کے فہم پر یقین کرنے کی، اور بسا اوقات ان کی قابلیت پر

اعتماد کرنے کی وجہ، موجود نہیں ہوتی۔ سوئیڈن، جرمنی اور ہالینڈ کی حکومتوں پر چند شکوک وشبہات کے ساتھ بھروسہ کرنا، قابل فہم بات لگتی ہے۔ تاہم ڈونلڈ ٹرمپ جیسے کسی پر اعتماد کرنا بے وقوفی ہوگی اور ان کے دوست کم جو نگ اُن پر بھروسہ کرنا تو پاگل پن ہوگا۔ بولسناروں، پیوٹنوں، دوتیرتوں، اسدوں اور اربنوں کے ہوتے ہوئے اپنی اپنی حکومتوں پر اعتماد کرنا وہ نعمت ہے جو سب کو میسر نہیں۔

کرونا رنگ اندھا نہیں ہے بلکہ وہ امیر اور غریب کے مابین خلیج کو بڑھا رہا ہے۔

کرونا کے بحران کے نتیجے میں پیدا ہونے والے پریشان کن سماجی نتائج صحت عامہ کے مسئلہ سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ یہ امیر اور غریب کے درمیان خلیج کو بہت تیزی سے بڑھا رہے ہیں جہاں سماجی اور معاشی اشرافیہ کے پاس دولت، بہترین طبّی سہولیات، قرنطینہ اور لاک ڈاؤن کے دوران وقت گزارنے کے لئے وسیع اور آرام دہ رہائش گاؤں کی سہولتیں موجود ہیں وہاں غریبوں کے پاس ایسا کچھ نہیں ہے۔ یہ مثال امیر اقوام پر بھی لاگو ہوتی ہے لیکن ترقی پذیر ممالک میں طبقاتی خلیج ڈرامائی ہے اور تباہ کن انداز میں بڑھ رہی ہے۔ وہاں وباء سے پہلے ایک شخص اہل خانہ سے بھری ہوئی جھونپڑی میں رہتا تھا یا ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں رہتا تھا، شریک حیات اور ڈھیر سارے بچوں کے ہمراہ، ممکنہ طور پر دیگر رشتہ دار بھی اس کے ساتھ ہی ہوں، اور اس کے خاندان کے پاس حفظان صحت کی سہولیات بھی نہیں تھیں، صاف پانی دستیاب نہیں تھا، کھانا کم تھا اور ان کا خاندان خوراک کی کمی کا شکار تھا، طبّی سہولیات تک رسائی کے وسائل نہیں تھے یا ہیلتھ انشورنس نہیں تھی، اس شخص اور اس کے خاندان پر وباء اور لاک ڈاؤن کے اثرات کسی باوسائل امیر شخص کے جسے یہ سب پریشانیاں نہیں ہیں، ناقابل تصور تک مختلف ہوں گے۔ وباء کے پھیلاؤ کی شرح بخلاف امیروں کے، غریبوں، غیر مراعات یافتہ طبقے اور اقلیتوں میں کہیں زیادہ ہے، ہم یہ دنیا میں دیکھ سکتے ہیں امریکا، فرانس اور لاطینی امریکہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ اور معاشی طور پر غریب طبقے، اقلیتیں، مقامی آبادکار، غیر یورپی اقوام اور تارکین وطن پر کرونا کے قاتل اثرات اور بھی زیادہ ہیں۔ بہت سے ممالک میں ایسے افراد کی شرح جو کرونا کے خطرات سے ممکنہ طور پر متاثر ہو سکنے کے حوالے سے بہت زیادہ ہے، چاہے وہ بیماری کا وائرس لگنے کے حوالے سے ہو یا کرونا کے سبب جان کی بازی ہار جانے کے حوالے سے، پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ وباء کے دنوں میں اگر امیر لوگ گھروں پر رہنا چاہیں تو وہ رہ سکتے ہیں، مگر غریب لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔ غیر روایتی معاشی کارکن یا دیہاڑی دار مزدور کے پاس، مثال کے طور پر زیادہ بچت نہیں ہوتی اور اس کا زیادہ تر انحصار اپنی دیہاڑی کی آمدن پر ہوتا ہے۔ روزی کمانے کے لئے گھر سے نکلنا ہی ہوتا ہے عام طور پر بھیڑ بھاڑ کی جگہوں پر جانا ہوتا ہے، اور اپنے جیسے دیگر دیہاڑی دار مزدوروں کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوتا ہے جو کہ لاک ڈاؤن کے سبب کام کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ جبکہ ایک پروفیسر یا بیوروکریٹ اصولاً گھر سے بیٹھ کر کام کر سکتا ہے (ہوم آفس) مگر ایک ٹرک ڈرائیور، پھیری والا، دیہاڑی دار، یا بھکاری اس سہولت سے یقیناً محروم ہے۔ اور بغیر بامعنی سماجی تحفظ کی فراہمی کے، کام نہ ملنے کا مطلب روٹی سے محروم رہنا ہے۔ اگرچہ اس کی معاشی جہت ہے جس کی جانب ہم جلد اشارہ کریں گے۔ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کرونا وائرس اور لاک ڈاؤن امیروں اور غریبوں کو مختلف انداز میں متاثر کر رہا ہے اور سماج میں پہلے سے موجود طبقاتی خلیج کو مزید گہرا کر رہا ہے۔

وبا سے پہلے کی عالمی معیشت

کرونا کی وبا پھوٹنے سے ٹھیک پہلے عالمی معیشت ایک عجیب حالت میں تھی۔ پچھلی کئی صدیوں سے لمبے عرصے تک مسلسل پھیلتی ہوئی معیشت پر جب سے سرمایہ داری نظام نے غلبہ حاصل کیا ہے تب سے یہ ہمیشہ دائروی سفر کر رہی ہے۔ معاشی ترقی کے اس سفر میں کساد بازاری رکاوٹ ڈالتی ہے جس کے بعد پھر سے یہ معیشت نمو کرتی ہے اور پھر اسے ایک کساد بازاری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور چونکہ موجودہ بڑھوتری کرونا بحران کے آغاز کے وقت پہلے ہی ایک دہائی سے زائد عرصہ گزار چکی تھی لہٰذا سن 2020 کے اوائل میں معیشت میں مندی کی توقع کچھ اتنی بلاجواز نہیں تھی۔ تاہم چند دیگر عوامل بھی صورتحال کو مزید پیچیدہ بنانے کا سبب بنے ان میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور ان کی پالیسیاں بھی شامل ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی قومی معیشت کے لئے اچھے خاصے مضمرات کا سبب بنیں اور اس کے نتیجے کے طور پوری عالمی معیشت پر اس کے منفی اثرات پڑے۔ ٹرمپ کا منفی پہلو یہ ہے کہ ٹرمپ نے بطور ٹرمپ اس بات کو یقینی بنایا کہ بہت زیادہ غیر یقینی اور غیر متوقع صورتحال قائم رہے۔ مغربی یورپ اور دنیا بھر میں خاص طور پر یورپی یونین میں موجود دیرینہ امریکی اتحادیوں کے خلاف بیان بازی اور معاشی محاذ آرائی کی فضا معاشی (اور سیاسی) عدم استحکام اور غیر یقینی کی صورتحال کو بڑھاوا دے رہی تھی۔ چین کے خلاف ان کی معاشی جنگ (اگرچہ بعض اوقات اس کو نیم دلی سے نافذ کیا گیا) اور ان کی عسکریت پسند چین مخالف بیانات نے معاملات کو اور زیادہ خراب کر دیا۔ مثبت پہلو (اگر ہم اسے مثبت پہلو کہنے پر بضد ہیں تو) اس کی وہ بنیاد پرست کاروباری پالیسیاں تھیں جو بہت سے ماحولیاتی یا معاشرتی قواعد و ضوابط کو ختم یا کمزور کرنے، کمپنیوں اور امیروں کے لئے ٹیکسوں میں کٹوتیاں (اور بہت کم حد تک درمیانے طبقے کے ٹیکس میں کٹوتی) اور چند دیگر اقدامات شامل ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ٹرمپ دیگر کون سے حیران کن اقدامات کر رہے تھے یہ چیزیں بہر حال بزنس اور اسٹاک مارکیٹ کے بہترین خبر تھیں اور شاید انہی اقدامات نے مصنوعی طور پر ہی سہی لیکن اس مندی یا کساد بازاری کو موخر کر دیا جو کہ کافی عرصہ پہلے آنا طے تھی۔ آسان مانیٹری پالیسیوں نے ایک اضافی اہم کردار ادا کیا۔ جہاں تک نظر آتا ہے ٹرمپ کی حکمت عملی یہ تھی کہ کچھ بھی کیا جائے چاہے وہ ہوشیاری ہو یا حماقت مگر کسی طرح 2020 کے موسم خزاں تک، جب امریکی صدارتی انتخابات ہونے ہیں، امریکی معیشت کے نمو کو بڑھایا جائے۔ معاشی نمو کے ساتھ ساتھ نظریاتی محاذ آرائی پیدا کرنا، اپنے حامی طبقے کو متحرک کرنا اور معاشرے میں مزید تفریق کو ہوا دینا ہی وائٹ ہاوس میں دوبارہ داخل ہونے کا ٹکٹ تھا۔ وبا کے لئے اسٹیج پوری طرح سے تیار تھا۔

کساد بازاری کا رستہ یا ممکنہ طور پر گریٹ ڈپریشن

کرونا کے وبائی مرض میں تبدیل ہونے سے نفسیاتی طور پر عالمی معیشت میں عدم تحفظ کے درجے میں اضافہ ہوا۔ جب چین جیسا اہم کاروباری ملک بڑے کاروباری مرکز ووہان (اور بعد میں پورے ملک کے بڑے حصے) کو قرنطین کرنے پر مجبور ہوا تو یہ بذات خود بہت بری خبر تھی۔ لیکن جب اگلے چند ہفتوں میں یہ وائرس دوسرے اہم معاشی مراکز (جنوبی کوریا، یورپ، ریاستہائے متحدہ امریکہ) تک پھیل گیا، مختلف ممالک کی سرحدیں بند کر دی گئیں اور بین الاقوامی ہوائی سفر تقریباً جمود کا شکار ہو گیا تو ایسے میں بہت سارے سوالات پیدا ہو گئے۔ جب کہ عالمی معیشت اس حد تک مربوط ہو چکی ہے اور مزدوری کی تقسیم ہائے کار ابھی تک ارتقا پذیر ہے تو ایسے میں طلب و رسد یا سپلائی چین کا کیا ہو گا؟ جب دنیا میں بہت سارے ممالک میں لاک ڈاؤن کا نفاذ ہو ایسے میں صارفین اجناس کو خریدنے اور رقم خرچ کرنے کا طریقہ کیسے اختیار کر سکتے ہیں؟ دنیا بھر میں ہوتی مانگ میں کمی کے ساتھ برآمدات کا کیا ہو گا؟ عالمی معیشت ایک بڑی کساد بازاری کی گہرائیوں میں جھانک

رہی ہے۔ ایک ایسی کساد بازاری جو کہ ابھی تک پوری طرح سے پہنچی بھی نہیں ہے لیکن یہ بہت جلد پہنچنے والی ہے۔ جب طلب کی کمی اور حکومتی احکامات کے تحت دکانیں اور فیکٹریاں بند ہو رہی ہیں تو اس کے نتیجے میں کچھ اہم ممالک میں بیروزگاری کا سیلاب آنے والا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں چند ہفتوں کے دوران یہ شرح 3.5 فیصد سے بڑھ کر 15 فیصد تک پہنچ گئی تھی۔ بلکہ بیس فیصد کہنا زیادہ حقیقت پسندانہ ہو گا۔ 1930 کی دہائی کے گریٹ ڈپریشن کے بعد یہ سب سے بڑا شرح فیصد تھی اور اس کی رفتار بالکل غیر معمولی تھی۔ بیشتر ممالک میں معاشی نمو کی پیش گوئیاں ہر چند دن بعد ایڈجسٹ کرنی پڑتی تھیں اور زیادہ تر ممالک میں شرح نمو منفی میں تھی۔ لیکن یہ پیشگوئیاں دراصل زیادہ سے زیادہ ایک اندازے سے زیادہ نہیں تھیں یہ جب شائع ہوئیں تو اس وقت ہی فرسودہ ہو چکی تھیں۔ معاشی تاریخ میں اس صورتحال کا موازنہ کرنے کے لئے ابھی کچھ نہیں تھا، لہذا پیشن گوئی بہت کم حقیقی مواد پر مبنی تھی۔ اور چونکہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ

وبائی مرض کب تک چلے گی اور کب تک معیشت کو مفلوج رکھے گی اس لئے اس کے معاشی اثرات پر پہلے سے پیشگوئی کرنا ممکن نہیں تھا۔ یا کیا یہ کوئی اندازہ لگا سکتا تھا کہ جی ڈی پی کی اندازہ کی گئی 3 یا 4 فیصد کمی 2020 تک 20 فیصد تک ہو سکتی ہے۔ اور ہر لحاظ سے یہ تمام تخمینے اس قیاس پر مبنی تھے کہ اس وبائی بیماری پر مئی، جون تک یا گرمیوں تک قابو پا لیا جائے گا۔ ایک بار پھر یہ سب ایک خواہش پسندانہ فکر کے سوا کچھ نہ تھا اور اس نے کووڈ 19 کی "دوسری لہر" کے امکان کو خارج کر دیا جسے طبّی ماہرین نے ممکن یا بہت زیادہ ممکن ہونا قرار دیا تھا (بات یہ ہے کہ آپ اس بارے میں کس سے پوچھتے ہیں) ۔ لہذا، ہم ابھی تک قطعی طور پر نہیں جان سکتے ہیں کہ کرونا بحران کے معاشی اثرات کیا ہوں گے۔ لیکن دوسری طرف ہم بخوبی جانتے ہیں کہ یہ صورتحال انتہائی خطرناک ہو گی، اور یہ کہ شاید 1930 کی دہائی کے گریٹ ڈپریشن کی سطح تک پہنچ جائے۔ اس وقت امریکہ میں افرادی قوت کی بیروزگاری 25 فیصد تک پہنچ گئی تھی۔ ہم آج بھی اس دہلیز سے بہت دور نہیں ہیں۔ اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ گریٹ ڈپریشن کی یہ شدت صرف معاشی نہیں تھی اس کے اثرات کہیں زیادہ وسیع تھے۔ معاشی تباہی نے سیاسی انتشار، فاشزم کے عروج اور جنگ کو بھی جنم دیا۔ بہر حال یہ بات ماننا ہو گی کہ آج صورتحال کئی لحاظ سے مختلف ہے۔ بہت سے ممالک خاص طور پر زیادہ تر یورپ میں سوشل سیکورٹی کا نظام مکمل طور پر رائج ہو چکا ہے اگرچہ تمام صنعتی ممالک کی حد تک یہ بات درست نہیں۔ امریکہ ایک بار پھر ابھی تک بہت پیچھے ہے جہاں تقریبا تیس ملین افراد صحت انشورنس تک نہیں رکھتے اور بے روزگاری الاونس اور دیگر فوائد بھی مغربی یورپی معیارات سے بہت کم ہیں۔ تیسری دنیا کے بیشتر ممالک اس سے بھی بدتر حالت میں ہیں۔ وہاں ملازمت سے محروم ہونا، روزگار کے حوالے سے غیر یقینی صورتحال اور کم تنخواہیں بہت آسانی سے افراد کو شدید غربت اور بھوک کی سطح تک پہنچا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر بنگلہ دیش میں ٹیکسٹائل کے چالیس لاکھ میں سے ایک چوتھائی مزدور اپنی ملازمت اور اپنی آمدنی کھو چکے ہیں۔

معاشی تباہی معیشت کو غیر مساوی انداز سے متاثر کر رہی ہے۔ انٹرنیٹ پر مبنی کمپنیاں بہت کم متاثر ہو رہی ہیں یا بعض صورتوں میں منافع بخش بھی ثابت ہو رہی ہیں۔ جب کہ سیاحت، ایئر لائنز، تفریحی صنعت، ریستوراں اور کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ فروخت کرنے والی دکانیں بہت زیادہ نقصان اٹھا رہی ہیں۔ نیز مینوفیکچرنگ صنعتوں کے بڑے حصے جیسا کہ کار فیکٹریاں شدید بحران کا شکار ہیں جن کی طلب میں شدید کمی ہے۔ مجموعی طور پر بیشتر کاروباری شعبوں میں پیداوار، سرمایہ کاری اور کھپت تینوں ہی اس بری طرح سے متاثر ہوئے ہیں جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ملازمت اور طلب کے اثرات معاشی ڈپریشن کو جنم دینے کا سبب بنتے ہیں۔

خرچ سے ہچکچانے والے دھماکہ خیز اخراجات کر رہے ہیں

مختلف حکومتوں کی طرف سے اس معاشی شکست کا ردعمل مختلف نوعیت کا رہا ہے۔ تاہم زیادہ تر نے دو مقاصد پر توجہ مرکوز رکھی: بڑے پیمانے پر دیوالیہ پن یا مکمل تباہ ہوتے کاروباروں اور معاشی شعبوں کی مدد اور حفاظت کرنا۔ اور دوسری بات یہ کہ آبادی یا اس کے کچھ حصوں پر کسی طرح سے معاشی تباہی کے اثرات کو کم سے کم کرنا۔ عام طور پر اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان دو کاموں کے لئے بڑی مقدار میں رقوم کو خرچ کیا جائے۔ ہم صنعتی ممالک میں صرف چند مہینوں میں GNP کے 10 - 20 فیصد ناقابل یقین اضافی اور ہنگامی اخراجات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جن کی ادائیگی قرض کی رقوم سے کی گئی ہے۔ پورے معاشی شعبے بلکہ بڑی اور چھوٹی انفرادی کمپنیاں بھی (اپنے شعبہ کاروبار سے ہٹ کر) مدد حاصل کر رہی ہیں۔ اگرچہ حکومتوں کی آمدنی اس صورتحال کی وجہ سے تیزی سے کم ہو رہی ہے۔ جب کہ صنعتیں پیداوار یا فروخت نہیں کر رہی ہوں بے روزگار ٹیکس ادا نہیں کر پا رہے ہوں تو سرکاری اخراجات آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ کچھ ممالک میں 2020 میں سرکاری قرض جی این پی کے 2 یا 3 فیصد سے 10 فیصد سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو کچھ ہی ہفتوں قبل ناقابل تصور تھا۔ اور جہاں تک ہمیں نظر آتا ہے جلد ہی خرچ کرنے اور ادھار لینے میں شاید اضافہ ہو گا۔ ہم ابھی تک کہہ نہیں سکتے کہ یہ وسیع پیمانے پر اخراجات کس طرح اور کب روکے جائیں گے، کیوں کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ بحران کب ختم ہو گا۔ ہمیں اندازہ نہیں ہے کہ اگر بحران جاری رہا تو حکومتیں کتنا زیادہ رقم فراہم کر سکتی ہیں اور فراہم کریں گی۔ ہم پورے یقین سے یہ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آیا یہ تمام اخراجات حقیقی معنوں میں اپنے اہداف حاصل کریں گے اور کسی گریٹ ڈپریشن کو روکیں گے۔ لیکن ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ پالیسی زیادہ دیر تک پائیدار نہیں ہو گی۔ اور یہ حکومتوں کے لئے مستقبل کے پالیسی آپشنز کو محدود کر دے گی۔

ایک بڑا سرپرائز: سیاسی عزم مدد کر سکتا ہے

ایک دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ لبرل اور بظاہر لامحدود طریقہ جس سے حکومتیں وہ پیسہ خرچ کر رہی ہیں جو ان کے پاس نہیں ہے، جب کہ اس بحران سے پہلے بہت سے لوگوں کے لئے سرکاری اخراجات میں اضافہ کرنا ایک ناپسندیدہ کام تھا۔ مثال کے طور پر برطانوی صحت کا نظام فنڈز کی کمی اور کنزرویٹو پارٹی کے ذریعہ مالی اعانت میں کمی کی وجہ سے تقریباً برباد ہو گیا تھا۔ اور معاشرے یا عالمی سطح پر متعدد بنیادی یا فوری ضروریات کو حل کرنے کے لئے جارحانہ طور پر خرچ کرنے پر شاید ہی کبھی غور کیا گیا ہو: عوامی تعلیم کو بہتر بنانے، بے روزگاری کے خاتمے، مرد اور عورت کے مابین مساوات کو نافذ کرنے اور صرف چند کلیدی شعبوں کے علاوہ کوئی پروگرام نہیں تھے، اب اس طرف آ رہا تھا۔ آب و

ہوا کی تبدیلی کے عالمی بحران سے جارحانہ اور سنجیدگی سے نمٹنا اور اس کے لئے بڑے پیمانے پر رقم خرچ کرنے کے معائدے کرنا محض اور خواہش اور اور نوجوانوں کا مطالبہ تھا۔ کرونا کا شکریہ کہ جس نے ہمیں سکھایا کہ یہ رقم کی کمی نہیں تھی بلکہ سیاسی عزم کی کمی تھی اور ہمیں مستقبل کے لئے اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیئے۔ عوامی تعلیم یا صحت عامہ کے بحرانوں، یا عالمی حدت کو چند سو اربوں ڈالر خرچ کرنے کے لئے اتنا اہم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اب جب کہ وزیر اعظم، وائٹ ہاؤس کے عملے، مختلف پارلیمنٹس کے ممبران، اور سب سے بڑھ کر معیشت کے وائرس سے متاثر ہونے کے بعد ہم یہ سمجھ چکے ہیں کہ چھوٹے سے وقت میں بھی کچھ کھرب ڈالر کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

کرونا بین الاقوامی نظام کو تبدیل کر رہا ہے

کرونا بحران کے حوالے سے ایک مشکل سوال یہ ہے کہ آیا یہ معاشی اور سیاسی طور پر بین الاقوامی نظام کو تبدیل کرے گا یا نہیں۔ مخصوص پیش گوئیاں ایک بار پھر مشکل ہیں، لیکن ایک دو نکات واضح ہونے چاہئیں۔

سب سے پہلی بات یہ کہ معاشی اثر پذیری حاصل کرنے یا کھو دینے کا انحصار انفرادی طور پر ممالک کی بحران سے نمٹنے کی صلاحیت پر ہو گا کہ وہ بحران کے دوران ملک کو صحت اور معیشت کو بحران سے کتنے موثر انداز میں اور کتنا جلدی نکالتے ہیں۔ موثر لاک ڈاؤن کے ذریعہ زیادہ تر معاشی سرگرمیوں کو منجمد کرنا شاید کساد بازاری کا باعث بنے گا۔ لیکن اگر یہ عمل جلدی اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا گیا اور اگر کرونا پھیلنے کو جلدی سے قابو کر لیا گیا تو معاشی بحالی جلد شروع ہو سکتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ چین کے اعداد و شمار پر عدم اعتماد کے باوجود چین میں ایسا ہوا ہے۔ نیز، اگر موجودہ اطلاعات درست ہیں تو جنوبی کوریا، جرمنی، یا جنوبی افریقہ بھی اس زمرے میں شامل دکھائی دیتے ہیں۔ دوسری طرف، اسپین ، اٹلی اور شاید فرانس معاشی طور پر بہت زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ سب سے بڑھ کر امریکہ، برطانیہ، برازیل اور ایران جیسے ممالک بحران کے دوران دکھائی گئی اپنی ہچکچاہٹ اور نا اہلی کی وجہ سے شاید سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہوں گے۔ ان کی صحت عامہ پر معاشی نمو کو زیادہ اہمیت دینے کی وجہ سے ایسی صورتحال پیدا ہو گئی جہاں ان کو دونوں ہی شعبوں میں زبردست نقصان اٹھانا پڑا، اور کم از کم کچھ سالوں کے لئے یہ بین الاقوامی سطح پر زیادہ کامیاب ممالک کے ساتھ ان کے معاشی تناؤ کو بہت زیادہ کم کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ، کچھ ممالک پہلے ہی دوسروں کی آفات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ہندوستان بین الاقوامی کاروبار کو چین سے دور کر کے اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کے لئے خصوصی ترجیحی سلوک کی بھی پیشکش کر رہا ہے۔ اور مثال کے طور پر جرمنی نے اپنی معیشت کو مستحکم کرنے کے لئے بہت زیادہ رقم خرچ کی ہے، اور یورپی یونین کے باقی ممبروں کے اجتماعی اخراجات (جو یورپی یونین کے تمام ممالک کا ہنگامی اخراجات کا 51 فیصد ہے) سے بھی زیادہ خرچ کر چکا ہے۔ دوسرا نمبر فرانس کا ہے جو کہ اس طرح کے اخراجات میں جرمنی سے صرف 17 فیصد پیچھے رہ گئے ہیں۔ اس بات کا بہت امکان ہے کہ اس سے یورپی یونین میں طاقت کا توازن جرمنی کی طرف ہو جائے گا۔

دوم، کرونا بحران سیاسی اور نفسیاتی طور پر واضح طور پر فاتح اور شکست خوردہ ممالک میں تفریق پیدا کرتا ہے۔ درحقیقت یہ فرق بحران سے نمٹنے کا طریقہ کار پیدا کر رہا ہے۔ تاریخی طور پر امریکہ کی بین الاقوامی طاقت اور تسلط محض معاشی حجم اور ٹیکنالوجی پر مبنی نہیں اور نہ یہ فوجی طاقت پر ہے بلکہ یہ سوفٹ پاور پر بھی مبنی ہے۔ امریکہ کو اکثر ایک رول ماڈل کی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے، بطور ایک مثالی طاقت کہ یہ کیسے ہونا چاہیئے وہ اس کی مطلوبہ اور متاثر کن مثال ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے لوگوں نے بھی امریکی تسلط پر اعتراض کرتے ہوئے بھی ان کی تعریف کی۔ امریکہ کی یہ طاقت بہت تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ ٹرمپ کے سابقہ اہم مشیر کے الفاظ میں اب دنیا کو ایک ایسے وہائٹ ہاؤس

کے زیر اثر رہنے کی عادت پڑ رہی ہے جس کو "ایک بیو قوف چلا رہا ہے جس کو چاروں طرف سے مسخروں نے گھیرا ہوا ہے"۔اور اُسے ایک ایسے برطانوی وزیر اعظم کے ساتھ معاملہ کرنا جو سچ کی نسبت خود اپنے اور اپنے ذاتی مفاد کو زیادہ اہم سمجھتا ہے جس سے زیادہ مضحکہ خیز سوائے ٹرمپ کے اور کوئی نہیں۔ بہر حال وزیر اعظم کا انتخاب برطانیہ کا ایک داخلی معاملہ تھا اور اب بھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں ممالک کی مستقل لاچاری اور اشتعال انگیز نااہلی اور امریکہ اور برطانوی (اور ایرانی، برازیلین، اور کچھ دیگر ممالک) کی حکومتوں کی وبائی امراض سے نمٹنے کی صلاحیت عالمی سطح پر ان ممالک کے وقار اور ساکھ کو کمزور کر رہی ہے۔ کوئی کیسے ان ممالک کا احترام کر سکتا ہے یا ان پر اعتماد کر سکتا ہے یا بین الاقوامی سطح پر ان حکومتوں کی تعریف کر سکتا ہے اگر وہ اپنے ہی ممالک میں کسی سنگین بحران سے نمٹنے کے تیار نہیں ہیں یا اس سے نمٹنے کے قابل نہیں ہیں؟ اب وہ کامیاب سیاست کے رول ماڈل یا انسپائریشن کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہمیں بہر حال اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ برطانیہ کی نسبت امریکہ اب بھی سب سے بڑی معیشت، اور عسکری طور پر غالب ملک ہے۔اور کرونا وائرس اس کی اس پوزیشن کو تبدیل نہیں کرے گا۔ لیکن مختلف شعبوں میں امریکی غلبہ کافی عرصے سے ختم ہو رہا ہے۔ تمام دولت، ٹیکنالوجی، اور فوجی برتری کے باوجود، امریکہ چند ہزار طالبان کے خلاف جنگ بھی نہیں جیت سکا تھا۔اس نے عراق کو سنبھالنے میں حد درجہ نااہلی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے پاس اپنے اہم حریف کی حیثیت سے چین اُبھرتے ہوئے اثر و رسوخ کو روکنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔اس نے اس پرانے اتحاد کو دور کر دیا ہے جس نے اتنے عرصے سے امریکی طاقت میں حصہ لیا تھا۔امریکی ناکامیوں کی یہ فہرست مزید طویل بھی ہو سکتی ہے۔ یہ صرف اسی تناظر میں ہے کہ کرونا کی تباہ کن بدانتظامی سے امریکہ کا عالمی موقف مزید کمزور ہو گا۔ لیکن یہ صرف اسی تناظر میں ہو گا۔ عالمی قیادت کے لئے ضروری ہے کہ وہ قابل اعتماد ہو، قابلیت رکھتی ہو، ذہین حکمت عملی کا مظاہرہ کرے، اور بین الاقوامی سطح اپنا تعاون پیش کرے۔ موجودہ امریکی حکومت نے وبائی مرض سے نمٹنے میں صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ ان میں سے کسی بھی ضرورت کو پیش نہیں کرتی ہے۔اور دنیا کے پاس غور کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔اس سے بین الاقوامی نظام کو امریکی غلبہ سے ایک مفید کثیر القومی نظام میں منتقل کرنے میں مدد ملے گی۔ موجودہ امریکی حکومت نے وبائی مرض سے نمٹنے میں صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ ان میں سے کسی بھی ضرورت کو پورا نہیں کرتی ۔ اور دنیا کے پاس اب اس معاملے پر غور کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ سب بین الاقوامی نظام کو امریکی غلبے سے ایک متضاد کثیر القومی نظام کی طرف جانے میں کردار ادا کرے گا۔

وبا کی تباہ کاری اور مستقبل میں کرنے والے کام

جیسا کہ ہم نے مشاہدہ کیا کہ کرونا بحران بنیادی طور پر بھی صرف اور صرف عوامی صحت کا بحران نہیں ہے، اگرچہ یہ واضح طور پر ایک اہم اہمیت کا حامل مسئلہ ہے۔ لیکن اس نے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی ہر طرح کے دیگر بحرانوں کا بھی دروازہ کھول دیا ہے۔ کرونا بحران اب کثیر جہتی مسئلہ ہے، اور تمام معاشروں اور یہ تمام حکومتوں کی ایک ہی وقت میں بہت مختلف چیلنجوں اور پریشانیوں سے نمٹنے کی صلاحیت کی جانچ کر رہا ہے۔ اس کثیر جہتی بحران کی سنگینی اور اس کے کردار کی پچھلے سو برسوں میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ نہ ہی ہسپانوی فلو سے 1918-1920 میں حاصل ہونے والے ممکنہ اسباق ہمیشہ اور ہر جگہ قابل اطلاق نہیں ہوتے ہیں۔ ہم یہاں گہرے پانیوں اور گرداب میں ہیں اور کرونا وائرس نہ صرف ہمارے صحت عامہ کے نظام کے معیار کی جانچ کر رہا ہے بلکہ ہمارے عزم، فیصلہ سازی کے عمل، ہمارے نظام حکمرانی، ہماری تخلیقی صلاحیت، نظم وضبط، اور ہماری پختگی کو بھی پرکھ رہا ہے۔ ہمارے معاشرے اور ہمارے نظام حکمرانی اس امتحان میں پاس یا فیل ہو سکتے ہیں اور اس کے نتائج انسانی زندگیوں اور معاشی پیمانوں میں ماپے جاسکیں گے۔ جب ہم ان چیلنجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں تو ہمیں اپنے کچھ اہم اداروں اور طرز عمل میں اصلاح کی ضرورت ہوگی۔ لیکن ایسا کرتے وقت ہمیں وائرس سے مفلوج نہیں ہونا چاہئے۔ ابھی ہمیں ماحولیاتی بحران اور آب وہوا کی تبدیلی جیسے آنے والے دیگر بحرانوں کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ ہمارے معاشروں میں بہتری لانا، انہیں زیادہ سے زیادہ انسان دوست، زیادہ انصاف پسند اور شفاف بنانا، اور زیادہ جمہوری اور مساوی مواقع فراہم کرنے کا چیلنج بھی درپیش ہے۔ ہمارے گورننس سسٹم کو مزید موثر اور زیادہ جمہوری بنانا ضروری ہے تاکہ ان کی قانونی حیثیت مستحکم ہوسکے۔ یہ وائرس ہم پر لازمی طور پر اصلاحات کا نفاذ کر رہا ہے، ان امور کو دھیان میں رکھنا چاہئے۔ جب ہمیں اپنے کام کرنے کے طریقوں کو بدلنا ہے اور بہر حال خود کی تنظیم نو کرنا ہے تو ہمیں بھی اس کو اپنے سیاسی اور معاشرتی نظام کو بہتر بنانے کا ایک موقع سمجھنا چاہئے۔ ہم معاشرے کی اصلاح ایک بڑی جیل کی صورت میں کر سکتے ہیں جہاں ہم میں سے ہر ایک الگ کوٹھری میں بند ہے۔ یہ یقینی طور پر ہمیں کرونا اور کووڈ 19 کے ساتھ کامیابی کے ساتھ نمٹنے میں مدد دے گا۔ لیکن یہ رہنے کے لئے اچھی جگہ نہیں ہوسکتی ہے۔ اس کا متبادل یہ ہے کہ ہم کام کرنے والے، حکمرانی کے شریک طریقوں کو تیار کرتے ہیں، جس میں انفرادی ذمہ داری اور ایک فعال، جائز اور قانونی ریاست توازن میں تعاون کر رہی ہے، اور بین الاقوامی سطح پر دیگر معاشروں کے ساتھ۔ ہمیں یقینی طور پر اس دوسرے متبادل کے لئے جانا چاہئے۔ یہ یقینی طور پر کورونا اور کووڈ 19 کے ساتھ کامیابی کے ساتھ نمٹا جائے گا۔ لیکن یہ رہنے کے لئے اچھی جگہ نہیں ہوسکتی ہے۔ اس کا متبادل یہ ہے کہ ہم ایک ایسے معاشرے کا قیام عمل میں لائیں اور ایسے طریقے کار اور شمولیاتی حکومت کے طریقے وضع کریں جہاں فرد اپنی انفرادی ذمہ داری اور متحرک کردار ادا کرے اور ایک قانونی طور پر جائز ریاست اس کے ساتھ تعاون کرے اور پھر ہم دنیا کے دیگر معاشروں کے ساتھ بھی اسی طرح پیش آئیں۔ ہمیں یقینی طور پر اس دوسرے متبادل کے لئے جانا چاہئے۔

مصنف

یوخن ہپلر پاکستان میں فریڈرک ایبرٹ سٹفٹنگ (ایف ای ایس) کے کنٹری ڈائریکٹر ہیں۔

تصاویر:

کاپی رائٹ: یوخن ہپلر

مُترجم:

محمد شوذب عسکری

اشاعت:

کاپی رائٹ 2020، فریڈرک ایبرٹ سٹفٹنگ پاکستان آفس

فرسٹ فلور، W-66، جنید پلازہ، جناح ایونیو، بلیو ایریا، پی او بکس 1289، اسلام آباد، پاکستان

مدیران:

ڈاکٹر یوخن ہپلر	کنٹری ڈائریکٹر
سدرہ سعید	پروگرام کوآرڈینیٹر

فون: 4 – 3391 280 51 92+

فیکس: 2803395 51 92+

ویب سائٹ: http: //www.fes-pakistan.org

فیس بک: Friedrich-Ebert-Stiftung, Pakistan

ٹویٹر: @FES_ PAK

ایف ای ایس کے زیر اہتمام شائع کردہ تمام مواد کا کمرشل بنیادوں پر استعمال ایف ای ایس کی تحریری رضامندی کے بغیر ممنوع ہے۔

فریڈرک ایبرٹ سٹفٹنگ (ایف ای ایس) جرمنی کی سب سے پرانی سیاسی فاونڈیشن ہے۔ اس کا نام جرمنی کے سب سے پہلے جمہوری منتخب صدر فریڈرک ایبرٹ پر رکھا گیا ہے۔ فریڈرک ایبرٹ سٹفٹنگ نے پاکستان میں اپنا نمائندہ آفس 1990 میں قائم کیا۔ ایف ای ایس ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے مکالے کو آگے بڑھانے اور اپنے بین الاقوامی کاموں میں پرامن پیش رفت پر توجع دیتی ہے۔ دنیا بھر میں سیاست، معیشت اور معاشرے میں سماجی انصاف ہمارے معروف اصولوں میں سے ایک ہے۔ پاکستان میں ایف ای ایس غور و فکر کے عمل اور عوام کو آگاہی کے ذریعے جمہوری لیکچر کے فروغ کے لیے مختلف سرگرمیوں میں مصروف عمل ہے، معاشی اصلاحات اور محنت کشوں کے موثر ہونے اور آمن و ترقی کے لیے حالیہ برسوں میں علاقائی تعاون کو مستحکم کرنے کے لیے سماجی انصاف کی وقالت کررہی ہے اور اسے فروغ دے رہی ہے۔

ایف ای ایس کے زیر اہتمام شائع کردہ تمام مواد کا کمرشل بنیادوں پر استعمال ایف ای ایس کی تحریری رضامندی کے بغیر ممنوع ہے۔

ISBN: 978-969-9675-24-9

EFQM Committed to excellence